رسائل و مسائل

اعتراضات

ماہ اپریل کے ترجمان القرآن میں آپ کا جو مقالہ بعنوان "اسلام کس چیز کا علمبردار ہے؟" چھپا ہے۔ اس کے مندرجات میں سے کچھ پر یہ اعتراضات وارد کیے جاتے ہیں۔

۱۔ "پیغمبرؐ مافوق البشر نہیں ہوتا"۔ اس کا کیا مفہوم ہے؟ کیا اس سے مراد خدائی اختیارات کا حامل ہونا ہے؟ یا بشریت سے ماوراء ہونا؟ معترضین نے یہ نکتہ برآمد کیا ہے کہ مافوق البشر کا مطلب عام بشر سے فائق ہونا ہے اور پیغمبر اس معاملے میں فائق ہی ہوتے ہیں۔

۲۔ دوسرا اعتراض اس پر ہے کہ مقالہ نویس نے پیغمبرؐ کو بشری کمزوریوں سے مبرا تسلیم نہیں کیا۔ حالانکہ وہ ہر لحاظ سے معصوم ہوتے ہیں۔ بشری کمزوریوں سے مراد بشریت کے لوازمات ہیں یا اور کچھ مراد ہے؟

۳۔ بعض پیغمبروں کا مشن ناکام ہو گیا۔ یہ اندازِ بیان انبیاء کے شایانِ شان نہیں ہے۔ معترضین کا زیادہ تر زور اس پر تھا کہ چاہے نیت بخیر ہو مگر اندازِ بیان گستاخانہ ہے۔

جواب :۔ ان اعتراضات کا جواب دینے سے پہلے یہ بتا دینا ضروری ہے کہ یہ مقالہ دراصل غیر مسلموں کے سامنے اسلام پیش کرنے کے لیے لکھا گیا تھا۔ اس میں اُن کے غلط عقائد کا ذکر کیے بغیر اُن کی نزدید اس طرح کی گئی ہے کہ اسلام کی صحیح تصویر اُن کے سامنے رکھ دی گئی جسے دیکھ کر وہ خود سمجھ سکتے ہیں کہ اُن کے مذاہب میں کیا کیا غلط باتیں شامل ہو گئی ہیں۔

اب ایک ایک اعتراض کو لیجیے :

۱۔ "پیغمبر فوق البشر نہیں ہوتا"۔ اس فقرے سے کوئی معنی اخذ کرنے سے پہلے معترض کو دیکھنا چاہیے کہ میں نے کس سلسلۂ کلام میں یہ بات کہی ہے۔ اُوپر سے عبارت یوں چلی آ رہی ہے کہ "رسول ایک انسانؐ

ہے اور خدائی میں اس کا ذرہ برابر بھی کوئی حصّہ نہیں ہے"۔ اس کے معاً بعد یہ کہنا کہ "وہ فوق البشر نہیں ہے" صاف طور پر یہ معنی رکھتا ہے کہ وہ بشریت سے ماوراء اور خدائی صفات سے متصف نہیں ہے جیسا کہ دوسرے مذاہب والوں نے اپنے پیشواؤں کو بنا رکھا ہے۔

۲- اسی سلسلہ کلام میں فوراً بعد دوسری بات یہ کہی گئی ہے کہ "رسول بشری کمزوریوں سے بالاتر نہیں ہے"۔ اس میں بشری کمزوریوں سے مراد بھوک، پیاس، نیند، مرض، رنج و غم وغیرہ امور ہیں جو بشر ہی کو لاحق ہوتے ہیں۔ اور اس مضمون میں یہ بات اس غرض کے لیے کہی گئی ہے کہ عیسائیوں نے جس ہستی کو خدا یا خدا کا بیٹا قرار دے ڈالا اس کو بھی یہ بشری کمزوریاں لاحق ہوتی تھیں۔ مگر یہ سب کچھ دیکھتے ہوئے بھی وہ بشر کو خدائی میں شریک قرار دے بیٹھے۔ یہ استدلال ٹھیک ٹھیک قرآن سے ماخوذ ہے: مَا الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۖ وَأُمُّهُ صِدِّيقَةٌ ۖ كَانَا يَأْكُلَانِ الطَّعَامَ (۵:۷۵) "مریم کا بیٹا مسیحؑ رسول کے سوا کچھ نہ تھا۔ اس سے پہلے بھی رسول گذر چکے تھے، اور اس کی ماں راست باز تھی، دونوں کھانا کھایا کرتے تھے"۔ اس آیت میں ایک عورت کے پیٹ سے پیدا ہونے اور ماں بیٹے، دونوں کے کھانا کھانے کو اس بات کی صریح دلیل ٹھیرایا گیا ہے کہ حضرت مسیح بشر تھے نہ کہ فوق البشر اور الوہیت میں اُن کا قطعاً کوئی حصّہ نہ تھا، جیسا کہ مسیحیوں نے سمجھ رکھا ہے۔

۳- تیسرا اعتراض بھی سلسلۂ کلام کو نظر انداز کر کے صرف ایک لفظ کے استعمال پر کیا گیا ہے۔ سلسلۂ کلام یہ ہے کہ نبی کا کام ایمان لانے والوں کو انفرادی اور اجتماعی تربیت دے کر ایک صحیح اسلامی تہذیب و تمدن کے لیے عملاً تیار کرنا اور ان کو منظم کر کے ایک ایسی جماعت بنا دینا ہے جو دنیا میں خدا کے دین کو بالفعل قائم کرنے کی جدوجہد کرے یہاں تک کہ خدا کا کلمہ بلند ہو جائے اور دوسرے کلمے پست ہو کر رہ جائیں۔ اس کے بعد یہ عبارت لکھی گئی ہے: "ضروری نہیں ہے کہ سب نبی اپنے اس مشن کو کامیابی کے آخری مراحل تک پہنچانے میں کامیاب ہی ہو گئے ہوں۔ بہت سے انبیاء ایسے ہیں جو اپنے کسی قصور کی بنا پر نہیں بلکہ متعصب لوگوں کی مزاحمت اور حالات کی نامساعدت کے باعث اس میں ناکام ہو گئے"۔

اس عبارت میں لفظ ناکام کے استعمال کو گستاخی کہنا آخر ادب و احترام کی کونسی قسم ہے؟ یہ مبالغہ آمیزیاں اگر اسی شان سے بڑھتی رہیں تو بعید نہیں کہ کل ہر وہ شخص گستاخ ہو جو کہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُحد میں زخمی ہو گئے تھے، یا آپ کسی وقت بیمار ہو گئے تھے۔ کسی واقعہ کے واقع ہونے

سے اگر انکار نہیں ہے تو اس کو انہی الفاظ میں بیان کیا جائے گا جو زبان میں معروف ہیں۔ جو حضرات اسے گستاخی سمجھتے ہیں وہ اپنی رائے کے مختار ہیں، مگر دوسروں پر وہ اس رائے کو کیوں مسلّط کرتے ہیں؟

اسرائیلی ریاست کے حق میں ایک عجیب استدلال

سوال:۔ "سورۂ بنی اسرائیل آیت ۱۰۴ کے متعلق "صدق جدید" (لکھنو) میں مولانا عبدالماجد دریابادی نے "سچی باتوں" کے زیرِ عنوان یہ تشریح کی ہے کہ اس میں وَعْدُ الْاٰخِرَةِ سے مراد یَوم الاٰخرۃ نہیں ہے بلکہ قیامت کے قریب ایک وقت موعود ہے اور جِئْنَا بِكُمْ لَفِيْفًا سے مراد بنی اسرائیل کے مختلف گروہوں کو ایک جگہ اکٹھا کر دینا ہے۔ اس کے بعد وہ فرماتے ہیں کہ "اب مطلب واضح ہے۔ یعنی اسرائیلیوں کو بعدِ واقعۂ فرعون ہی خبر دے دی گئی تھی کہ اب تو تم آزاد ہو، دنیا میں جہاں چاہو رہو بسو، البتہ جب زمانہ قربِ قیامت کا آجائے گا تو ہم تم کو مختلف سمتوں سے، مختلف ملکوں سے، مختلف زبانیں بولتے ہوئے، مختلف وضع و لباس اختیار کیے ہوئے، سب کو ایک جگہ جمع کر دیں گے۔ اور وہ جگہ اور کونسی ہو سکتی ہے بجز اُن کے قدیم وطن ملک فلسطین کے۔ آج جو ارضِ فلسطین میں یہود کا اجتماع ہر ہر ملک سے ہو رہا ہے کیا یہ اسی غیبی پیش خبری کا ظہور نہیں؟ یہ نتیجہ جو مولانا نے اس آیت سے نکالا ہے، مجھے ڈر ہے کہ یہ فلسطین کے متعلق عام جذبۂ جہاد کو ٹھنڈا کر دے گا۔ کیونکہ اس کو مان لینے کے بعد تو فلسطین میں اسرائیلی ریاست کا قیام عین منشائے خداوندی سمجھا جائے گا۔"

جواب:۔ آیت مذکورۂ بالا کی اس تشریح کو دیکھ کر تعجب ہوا۔ آیت کے الفاظ تو صرف یہ ہیں کہ:۔

وَقُلْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ لِبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اسْكُنُوا الْاَرْضَ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ جِئْنَا بِكُمْ لَفِيْفًا۔

"اور اس کے بعد (یعنی فرعون کی غرقابی کے بعد) ہم نے بنی اسرائیل سے کہا کہ زمین میں رہو بسو، پھر جب آخرت کے وعدے کا وقت آئے گا تو ہم تم کو اکٹھا کر لائیں گے۔"

ان الفاظ میں "قربِ قیامت کے وقتِ موعود" اور "بنی اسرائیل کے وطن قدیم میں یہودیوں کے مختلف گروہوں کو ملک ملک سے لا کر جمع کر دینے" کا مفہوم آخر کہاں سے نکل آیا۔ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ کا سیدھا

درصاف مطلب آخرت کا وعدہ ہے نہ کہ قیامت کے قریب زمانے کا کوئی وقتِ موعود۔ اور سب کو اکٹھا کرلانے یا جمع کرلانے سے مراد قیامت کے روز جمع کرنا ہے۔ اس میں کوئی اشارہ تک اس بات کی طرف نہیں ہے کہ اِسی دنیا میں بنی اسرائیل کو ایک جگہ جمع کیا جائے گا۔ اس پر مزید ستم یہ ہے کہ "ایک جگہ جمع کرنے" کے تصور کو آیت کے الفاظ میں داخل کرنے ہی پر اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ یہ بھی طے کر دیا گیا کہ وہ جگہ "اسرائیلیوں کے وطنِ قدیم" کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتی۔ یہ تو بعینہٖ یہودیوں کے اِس دعوے کی تائید ہے کہ دو ہزار برس تک فلسطین سے بے دخل رہنے کے باوجود اُس پر ان کا حق فائق ہے کیونکہ وہ ان کا وطنِ قدیم ہے، اور اب دو ہزار برس سے یہ ملک جن لوگوں کا حقیقت میں وطن ہے اُن کے مقابلے میں برطانیہ اور رُوس اور امریکہ نے نہیں، بلکہ خود اللہ تعالیٰ نے اس سرزمین پر یہودیوں کے حقِ سکونت کو فائق قرار دے کر انہیں ہر ملک سے وہاں جمع کروایا ہے۔ اس طرح تو اسرائیلی ریاست کا قیام اللہ تعالیٰ کے ایک وعدے کا نتیجہ قرار پاتا ہے نہ کہ دنیا کی ظالم قوموں کی ایک سازش کا۔ حالانکہ آیت کے الفاظ میں اس مفہوم کے لیے قطعاً کوئی گنجائش نہیں ہے۔

اسلام کے نام لیواؤں کی غیر اسلامی حرکات

سوال:۔ آج کل ایک مذہبی تنظیم کے بعض حضرات تین کتابیں بڑی سرگرمی سے پھیلا اور لوگوں کو پڑھا رہے ہیں۔ تینوں ارشد القادری صاحب نے لکھی ہیں جو بہار (بھارت) کے باشندے ہیں۔ ان کے نام یہ ہیں، جماعتِ اسلامی، تبلیغی جماعت، زلزلے۔ پہلی دو کتابیں جیسا کہ نام سے ظاہر ہے جماعت اسلامی اور تبلیغی جماعت کے خلاف اور تیسری دیوبندی علماء کی تردید میں ہے۔ اوّل الذکر کتاب میں مولانا مودودی کی بہت سی تحریریں نقل کی گئی ہیں جو کتابوں کے علاوہ ترجمان القرآن کے پُرانے پرچوں سے جمع کی گئی ہیں۔ یہ پرچے اب آسانی سے دستیاب نہیں بلکہ بعض تو بالکل نایاب ہیں، اس لیے شبہ ہوتا ہے کہ "ساقی نے کچھ ملا نہ دیا ہو شراب میں"۔ اس پوری کتاب کا جواب لکھنا تو دشوار بلکہ بیکار ہے۔ لیکن چند حوالوں کو مشتے نمونہ از خروارے کے طور پر اگر آپ انتخاب کرلیں اور ان کی حقیقت واضح کر دیں تو عوام الناس کو کچھ تو معلوم ہو گا کہ جو لوگ نظامِ مصطفیٰ کے قیام کا دعوٰی رکھتے ہیں وہ کن حربوں سے کام لے رہے ہیں۔ آپ لوگوں کی مکمل خاموشی کا مطلب یہ لیا جا سکتا ہے کہ اعتراضات سب صحیح اور بجا ہیں اور ان کا کوئی جواب ممکن نہیں۔ ارشد القادری

صاحب کے نام کے ساتھ کتاب پر سکرٹری جنرل ورلڈ اسلامک مشن لکھا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ چیزیں دنیا بھر کے مسلمانوں میں پھیلائی جاتی ہوں گی اور انہیں بدگمانی میں مبتلا کرنے کی کوشش کی جاتی ہوگی۔

جواب:- (از ملک غلام علی صاحب) جناب قادری صاحب کا کتابچہ "جماعت اسلامی" میری نظر سے گزرا ہے۔ میں اس کے چند اقتباسات نمونۃً پیش کرتا ہوں جس سے ہر شخص بآسانی یہ اندازہ کرسکتا ہے کہ یہ صاحب خوفِ خدا اور محاسبۂ آخرت سے کتنے عاری اور جھوٹ گھڑنے میں کتنے ماہر اور جری ہیں۔ اپنی کتاب کے صہ ۲۲ پر انہوں نے مولانا مودودی صاحب کی تصنیف تنقیحات سے ایک عبارت یوں نقل کی ہے:-

"قرآن و سنتِ رسول کی تعلیم سب پر مقدم ہے مگر قرآن و حدیث کے پرانے ذخیرے سے نہیں"۔
تنقیحات صہ ۲۱۱

اس عبارت پر یہ حضرت یوں تبصرہ کرتے ہیں؛

"جب تک کوئی نیا رسول نہ پیدا ہو قرآن و حدیث کا نیا ذخیرہ کہاں سے فراہم ہوسکتا ہے۔ دیکھنا چاہیے آگے کیا گل کھلتا ہے؟"

تنقیحات کے جس مضمون کا ایک فقرہ لے کر اس میں تحریف کی گئی ہے اس مضمون کا عنوان دینے سے گریز کیا گیا ہے تاکہ اصل ماخذ آسانی سے نہ مل سکے۔ تاہم میں نے تلاش کے بعد وہ ایڈیشن فراہم کر لیا جس کے صہ ۲۱۱ ہی پر یہ عبارت موجود ہے۔ پوری عبارت درج ذیل ہے؛

"قرآن اور سنتِ رسولؐ کی تعلیم سب پر مقدم ہے مگر تفسیر و حدیث کے پرانے ذخیروں سے نہیں۔ ان کے پڑھانے والے ایسے ہونے چاہییں جو قرآن اور سنت کے مغز کو پا چکے ہوں"۔
(تنقیحات صہ ۲۱۱، پانچواں ایڈیشن، مکتبہ جماعت اسلامی۔ دارالاسلام پٹھانکوٹ)

قادری صاحب کا کرتب ملاحظہ ہو کہ تفسیر کے لفظ کو قرآن کے لفظ سے بدل کر قاری کو یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ مولانا مودودی کسی نئے قرآن کی تعلیم کا مشورہ دے رہے ہیں، حالانکہ مولانا صاحب کا مدعا صرف یہ ہے کہ تفسیر و حدیث کے پرانے ذخیروں یا ان کے ترجموں کو من و عن نئے تعلیم یافتہ طبقے کے سامنے بغیر کسی راسخ العلم اور وسیع النظر استاذ کے رکھ دینا مناسب نہیں ہے۔ تفاسیر میں ہر طرح کا رطب و یابس اور کچا پکا مواد موجود ہے، حدیث کے ذخیروں میں صحیح، ضعیف، موضوع ہر طرح کی روایات موجود ہیں اور کتب صحاح میں بھی

بے شمار احادیث ایسی ہیں جن کے مابین توفیق و تطبیق یا ایک کو دوسری پر ترجیح دینا ہر کس و ناکس کے لیے ممکن نہیں ہے۔ مگر اصل الفاظ میں تحریف اور قطع و برید کے بعد ان سے مفہوم برآمد کیا جا رہا ہے کہ قرآن و حدیث ہر شے اب پُرانی ہو چکی ہے، اب کوئی نیا قرآن اور نئی احادیث درکار ہیں جن کی تعلیم لائی جائے گی۔

اس کتابچے کے صفحہ ۲۶ کی ایک عبارت ملاحظہ ہو:

"مولانا مودودی دوسری جگہ لکھتے ہیں:

"فقہاء کا قانون اپنی سختیوں کی وجہ سے عورتوں کی زندگیوں کو تباہ کرنے والا اور انہیں مرتد بنانے والا ہے"۔ (ترجمان القرآن مئی ۱۹۴۹ء)

اب حقیقتِ حال یہ ہے کہ یہ تحریر نہ مولانا مودودی کی ہے، نہ مئی ۱۹۴۹ء کا کوئی پرچہ سرے سے کبھی چھپ کر عالمِ وجود میں آیا ہے۔ قیامِ پاکستان کے بعد ترجمان القرآن کی اشاعت ایک سال تک بند رہی اور جون ۱۹۴۸ء تا ستمبر ۱۹۴۸ء ترجمان القرآن کے صرف چار ماہانہ پرچے چھپ سکے تھے کہ مولانا مودودی پبلک سیفٹی ایکٹ کے تحت گرفتار کر لیے گئے۔ ترجمان القرآن پھر بند ہو گیا اور پورے آٹھ ماہ (اکتوبر ۱۹۴۸ء تا مئی ۱۹۴۹ء) تک بند رہا۔ جون ۱۹۴۹ء میں جا کر التواء کے بعد پہلا پرچہ پریس اور پرنٹر پبلشر کی تبدیلی کے ساتھ شائع ہو سکا۔ اس جون ۱۹۴۹ء کے پرچے میں اس بندش کی پوری روداد اور اعلان نمایاں طور پر مطبوعہ موجود ہے جس کا جی چاہے دیکھ سکتا ہے۔ پھر جیسا کہ میں نے اُوپر اشارہ کیا ہے اور میں دوبارہ پوری صفائی سے یہ دعویٰ کرتا ہوں کہ یہ عبارت جو مئی ۱۹۴۹ء کے ترجمان کے حوالے سے مولانا مودودی کی جانب منسوب کی گئی ہے، یہ ہرگز کبھی ان کے قلم سے نہیں نکلی۔ یہ ان کی زبان اور اندازِ بیان ہی نہیں ہے۔ میں اسد القادری صاحب کو چیلنج کرتا ہوں کہ وہ مولانا کی کسی کتاب یا رسالے سے یہ عبارت نکال کر دکھائیں ورنہ دنیا و آخرت میں لعنۃ اللہ علی الکاذبین کے سزاوار بننے کے لیے تیار ہو جائیں۔

اپنے کتابچے کے صفحہ ۲۹ پر یہ صاحب ترجمان القرآن کی ایک عبارت مولانا مودودی کی طرف یوں منسوب کرتے ہیں:

"حضرت خالد بن ولیدؓ کی دینی حمیت پر نکتہ چینی کرتے ہوئے مولانا مودودی تحریر کرتے ہیں۔

"اسلام کی عاقلانہ ذہنیت کسی خفیف سے خفیف غیر اسلامی جذبہ کی شرکت بھی گوارا نہیں کر سکتی

اور اس معاملہ میں اس قدر نفس کے میلانات سے متنفر ہے کہ حضرت خالدؓ جیسے صاحب فہم انسان کو اس کی تمیز مشکل ہو گئی"۔ (ترجمان القرآن ربیع الثانی ۱۳۵۸ھ)

یہاں پھر محض مہینے اور سن کا حوالہ دے دیا گیا مگر صفحے کا نمبر یا مضمون کا عنوان نہیں دیا گیا۔ جس مضمون سے یہ فقرہ کاٹ کر نقل کیا گیا ہے، اس مضمون کا عنوان "معرکہ اسلام و جاہلیت" ہے اور وہ صدرالدین اصلاحی کا تحریر کردہ ہے۔ قطع نظر اس سے کہ اس اقتباس کو اگر سیاق و سباق میں دیکھا جائے تو اس میں کوئی چیز قابل اعتراض نہیں، سوال یہ ہے کہ یہ کہاں کا انصاف اور کہاں کی دیانت ہے کہ دوسروں کی عبارات کو دیدہ و دانستہ مولانا مودودی کے سر تھوپا جائے۔ کسی رسالے یا اخبار میں جو چیز چھپتی ہے اس کا مالک یا مدیر محض اس وجہ سے تو اس کا مصنف نہیں بن جاتا کہ یہ اس کے رسالے میں چھپ گئی ہے۔ ہر شخص کا ایک اپنا طرز بیان اور اسلوب فکر ہوتا ہے جس کا وہ خود ہی ذمہ دار ہوتا ہے۔ پھر اس اقتباس و انتساب میں دہری خیانت یہ ہے کہ مولانا صدرالدین کی بھی پوری بات نقل نہیں کی گئی جس میں انہوں نے تفصیل سے بتایا ہے کہ حضرت خالدؓ نے دوران جنگ میں ایک دشمن پر وار کیا اور اس کے کلمہ طیبہ پڑھ دینے کے باوجود اسے قتل کر دیا۔ جس پر آنحضورؐ نے سخت باز پرس فرمائی کہ کیا تو نے اس کا دل چیر کر دیکھ لیا تھا۔ میں اس فعل سے بری ہوں۔ اس کے بعد اس عبارت پر وہی شخص اعتراض کرے گا جو درحقیقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کو ہدف اعتراض بنانا چاہے گا کہ آپ نے حضرت خالدؓ کے فعل پر ایسی سرزنش اور برأت کیسے اور کس لیے فرمائی؟

پھر قادری صاحب نے اسی ایک غلط انتساب پر اکتفا نہیں کیا بلکہ مولانا صدرالدین صاحب کے اسی مضمون سے مزید تین اقتباسات اپنی کتاب کے صفحہ ۳۱، صفحہ ۳۲، صفحہ ۳۳ پر بلا تامل مولانا مودودی سے منسوب کر دیے ہیں اور تینوں کا آغاز ان الفاظ سے کرتے ہیں:

مولانا مودودی ایک جگہ لکھتے ہیں...... مولانا مودودی ان الفاظ میں خلیفہ اوّل پر نکتہ چینی کرتے ہیں... ان الفاظ میں خلیفہ دوم پر مولانا مودودی نکتہ چینی کرتے ہیں۔

ان تینوں صفحات پر چوکھٹے بنا کر جو عبارات نقل کی گئی ہیں ان میں سے کوئی ایک لفظ بھی مولانا مودودی کا تحریر کردہ نہیں۔ مجھے اگر طوالت کا خوف نہ ہوتا تو میں پورے اقتباسات اور ان پر اسد القادری صاحب کی حاشیہ آرائی نقل کرتا۔ یہ عبارتیں اگرچہ بجائے خود بے غبار ہیں اور ان میں کوئی پہلو اعتراض (باقی بر صفحہ ۴۸)

(بقیہ۔ رسائل و مسائل ص۴۲) کا نہیں ہے لیکن ان عبارتوں کو مولانا مودودی کے ذمے لگا دینا کھلی ہوئی فریب کاری و جعل سازی ہے جو غالباً اس بھروسے پر کی گئی ہے کہ پچاس سال پرانا پرچہ اب کس کے پاس ہوگا کہ وہ اس میں دیکھ سکے کہ یہ تحریر فی الواقع مولانا مودودی کی ہے بھی یا نہیں۔ جو لوگ ایسی کارروائیاں کرتے ہیں انہیں چاہیے کہ وہ اس ارشاد ربانی کو فراموش نہ کریں۔

لَا یجرمنکم شنان قوم علیٰ ان لا تعدلوا - اعدلوا ھو اقرب للتقویٰ -

(تمہیں کسی گروہ کی عداوت اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم عدل و انصاف کو ترک کر دو۔ عدل سے کام لو، یہی چیز پرہیزگاری سے قریب تر ہے)۔